A-PDF Image To PDF Demo. Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

زندگی سے مِلتے ھیں

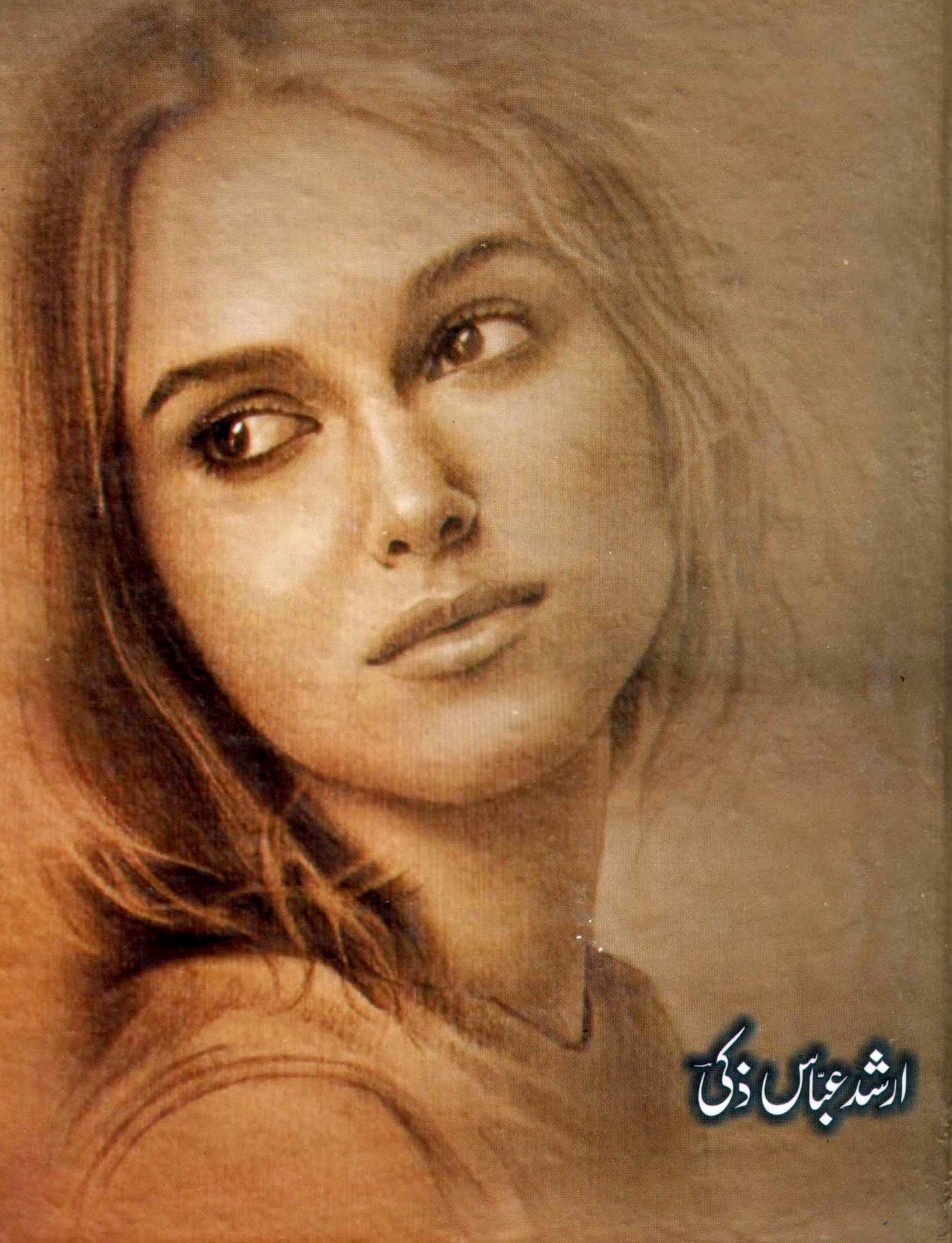

ارشد عبّاس ذکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رضينا قسمة الجبار فينا

لنا علم وللاعداءِ مالٌ

و ان المال يفنى عن قريب

وان العلم باق لايزالٌ

(مولا عليؑ)

زندگی سے ملتے ہیں

ارشد عباس ذکی

Sukhan Sa'raye
sukhan.saraye@gmail.com
0314-6270110

سخن سرائے پبلی کیشنز

سخن ور فورم

ضابطہ

جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ

اشاعت اوّل:	مئی 2012ء
سرورق:	راشد سیال
اہتمام:	عمار یاسر مگسی
انتخاب:	راشد نثار جعفری
کمپوزنگ:	حسن کمپوزنگ، گلگشت ملتان
پبلشرز:	سخن سرائے پبلی کیشنز۔ 0314-6270110
تقسیم کار:	سخن ورفورم۔ 24 حسن آرکیڈ ملتان کینٹ
مطابع:	عاتکہ پرنٹرز ملتان
قیمت:	200/- روپے

رابطہ

کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ

0301-7434323

0314-6270110

Email: arshad.misterious@gmail.com

انتساب!

دادا جان، دادی جان اور والدین کے نام!

جن کی دعاؤں کے طفیل میں حرف آشنا ہوا۔

اُس کی تصویر دیکھتے ہیں ذکی
آؤ پھر زندگی سے ملتے ہیں

آئینہ

شکستہ حال سہی اپنا گھر عطا کر دے..........حمد	20
پہلے یہ قریۂ ویران بسایا گیا ہے..........نعت	21
شعورِ فکر دیا جائے، آگہی دی جائے......سلام	22
ہجر کی دھوپ میں ساون کی گھٹا محسؔن ہے......نذرِ محسن نقوی	24
چاک ہو جائے اگر روح کی پوشاک میاں	25
آنکھ سے اشک بہاتے ہیں دعا کرتے ہیں	26
رنگ جب روشنی سے ملتے ہیں	28
عشق اب باعثِ آزار بھی ہو سکتا ہے	30
خواب شرمندۂ تعبیر بھی ہو سکتا ہے	32
دل کا یہ زخم ہے ناسور بھی ہو سکتا ہے	34
حقیقت..........نظم	36
ہوا سے ہاتھ چھڑانا بہت ضروری تھا	37
پیکرِ خاک میں نمی نہ رہی	39

کنارِ چشم پہ آنسو سجا کے دیکھ لیا 41
سکوتِ شب پہ چھا گیا سحاب سرخ رنگ کا 42
راس آیا نہیں یہ سال مجھے 44
مفاہمت کا کوئی راستہ نکالیں گے 46
پرکھا اُسے تو وہ بھی مرے دشمنوں میں تھا 48
مجھے مت ڈھونڈ میں کھویا نہیں ہوں 50
یہ جو تصویرِ کائنات ہے دوست! 52
آنکھیں..........نظم 54
حقیقت تھی، فسانہ ہو گیا ہے 55
حرفِ غلط نہ تھے تو مٹا کیوں دیئے گئے 57
رات بھر سو نہیں سکا ہوں میں 59
اک طرف خواب، اک طرف آنکھیں 61
مجھ کو ہوتا ہے وہ احساسِ جنوں تیرے بعد 62
وہ بھی کیا دن تھے کہ بھرپور جیا کرتے تھے 64
تجھ کو یوں دل سے بھلانا کوئی آساں بھی نہیں 66
نہ پوچھ کیا ہے مرے پاس، کچھ بچا ہی نہیں 68
وہ بھی کیا عجب دن تھے......نظم 70
ستا رہی ہے مجھے یادِ رفتگاں سرِ شام 74

میں تنہا تھا' میں تنہا ہی رہوں گا 76
میں اپنی ذات کا جب راز داں نہیں ہوا تھا 78
فاصلے' امتحاں سے کم تو نہ تھے 79
ہم نے احساس کو قرطاس پہ کب لکھا ہے 81
نہ منزلوں کی ہوس ہے نہ ہمسفر کی تلاش 82
چشمِ ویراں کو کوئی خواب دِکھا دھیرے سے 84
عادت............نظم 86
آیا ترا خیال تو میں مُسکرا اٹھا 88
وقت اب کس کی دسترس میں نہیں 90
ہاتھوں سے مشقت کے یہ چھالے نہیں جاتے 92
بس ترا اسم مناجات میں رکھا ہوا ہے 93
نم آنکھوں میں خواب سجائے' راکھ ہوئے ہیں 95
زندگی! تجھ سے بھی گلے ہیں بہت 96
زندگی سے خوابوں کا سلسلہ نہیں ٹوٹا! 98
آ پڑا مرے سر پر رات کا سفر' تنہا 99
محبت............نظم 100
عید کے روز 104
بات بے بات سوچتا نہیں میں 106

جس کی آنکھوں میں مجھے پیار نظر آتا تھا	108
ایک چہرہ مری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے	111
وقت ایسا بھی مجھ پہ آیا ہے	113
جب مرا اُس سے سامنا ہوا تھا	115
تلاش............نظم	117
جو فکر و فن سے تمہیں آگہی ہوئی ہی نہیں	118
زمیں کے سینے پہ خون پھر سے بکھر گیا ہے	120
حدیثِ عشق سنو اور سناؤ، عیش کرو	122
رقص کرتی ہیں ہوائیں، شب بھر	123
میرے سینے پہ کوئی سنگِ گراں چھوڑ گیا	124
قلبِ بیتاب میں افکار جنم لیتے ہیں	126
کسی کو سر پر سوار کرنے سے پہلے سوچو	127

☆☆☆☆☆☆☆

ارشد عباس۔۔۔زندگی کی تلاش

زندگی کا سب سے بڑا حسن اس کی روانی ہے۔ بہتے دریا کی صورت یہ رواں رہتی ہے ۔ ہر دم جواں رہتی ہے اور برتر از اندیشۂ سود و زیاں رہتی ہے۔ لہروں کے ساتھ لہریں ہاتھ ملا کر چلتی ہیں۔ کبھی آہستگی کے ساتھ یوں دبے پاؤں کہ کسی کو خبر ہی نہ ہو۔ کبھی شور مچاتی، چیختی چنگھاڑتی ، راستے میں آنے والی بستیوں کو اُجاڑتی ، گھومتی ، بل کھاتی یہ لہریں بالآخر موت کے سمندر میں غرق ہو جاتی ہیں ۔ ایک لامتناہی وسعت کا حصہ بن جاتی ہیں ۔ زندگی کی اسی روانی میں، زندگی کی اسی کہانی میں ہم سب ایک کردار کی صورت میں اُبھرتے ہیں۔ اپنے حصے کی کہانی سناتے اور سنتے ہیں اور پھر خود ہمیشہ کے لئے کہانی بن جاتے ہیں۔ ایک ایسی کہانی جو کبھی کہیں کسی بانسری سے ادا ہوتی ہے، کبھی کسی چوپال میں سنائی دیتی ہے کسی قصہ گو کی زبانی اور کبھی کسی زندان کی دیوار پر تحریر ہوتی ہے کسی دیوانے کے ہاتھوں ۔ زندگی کی اس کہانی میں ہمیں جو کردار دیا گیا اس کی حیثیت کیا ہے اس کا ہمیں اپنی زندگی میں اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ ہم ساری عمر اس تگ و دو میں گزار دیتے ہیں کہ ہمیں اس سٹیج پر کون سا کردار ادا کرنا ہے۔ اپنے لئے کردار کا تعین ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس کہانی میں اپنے لئے کوئی کردار خود چن لیتے ہیں اور پھر اَمر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے کردار کی تلاش میں ہی عمر کو رائیگاں کر جاتے ہیں ۔ یا شاید زندگی انہیں خود رائیگاں کر دیتی ہے۔

زندگی کی طرح ایک کہانی شہروں اور ان میں بسنے والے کرداروں کی بھی ہوتی ہے۔ ہر شہر اپنی کہانی میں اپنی مرضی کے کرداروں کو لے کر آگے بڑھتا ہے۔ ان کرداروں میں سے کچھ اپنی موت آپ مرتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں تاریک راہوں میں مار دیا جاتا ہے۔ اپنی موت آپ مرنے والوں کا کسی کو نام بھی یاد نہیں رہتا اور جو تاریک راہوں میں مارے جاتے ہیں موت ان کا قرض چکاتی ہے، انہیں نئی زندگی عطا کرتی ہے۔ زندگی کے اس حسن کو سمجھ لینے والے آسودگی،

سکون اور اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ ان کے دل گل و گلزار ہوتے ہیں اور ان سے پھوٹنے والی گلابوں کی خوشبو دور دور تک پھیل جاتی ہے۔

ملتان کے شعری منظر نامے کو میں نے ہمیشہ زندگی کے ساتھ جوڑ کر دیکھا اور اس لئے جوڑ کر دیکھا کہ یہ ایک زندہ شہر ہے۔ 5 ہزار سال سے سانس لینے والا دنیا کا قدیم ترین شہر۔ جیسے لہریں ہاتھ سے ہاتھ ملا کر چلتی ہیں۔ ملتان کے شعری منظر نامے کے مختلف کردار بھی اسی طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر لہر، لہر آگے بڑھے اور جیون کی وسعت میں شامل ہو گئے۔ یہاں کا شعری منظر نامہ مختلف ادوار میں کیسا تھا اور کون کون اس میں متحرک تھا۔ یہ ایک دلچسپ سوال ہے اور اس کا جواب تلاش کرنے میں ہمیشہ لطف آتا ہے۔ حضرت شاہ شمس سبزواری نے کہاں بیٹھ کر گنان لکھے ہوں گے اور کہاں اور کس محفل میں کس انداز میں سنائے ہوں گے۔ گرونانک جب اس شہر میں آئے تو انہوں نے یہاں قیام کے دوران کون سے اشلوک کہے ہوں گے، کون سے بھجن یہاں کے لوگوں کو سنائے ہوں گے، کس جگہ سنائے ہوں گے اور جب انہیں یہیں گرفتار کیا گیا تو اس اسیری کے دوران انہوں نے کیا تحریر کیا ہوگا۔ امیر خسرو اس شہر میں کہاں کہاں قیام پذیر ہوئے ہوں گے۔ ان سوالوں کے جواب ہمیں عموماً زندگی کا پتہ دیتے ہیں۔ بہت دور سے رواں دواں وقت یہ کی لہریں یونہی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آج کے عہد تک پہنچتی ہیں اور پھر آج کے شعراء محبت اور زندگی کے پیغام کو عام کرتے ہیں جو صوفیاء کے اس شہر کی پہچان ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے ارشد عباس ذکی کی شاعری پر بات کرنے سے پہلے اس شہر اور زندگی کی روانی پر بات کیوں کی ہے۔ میں نے اس کے فن پر اظہار خیال سے پہلے قدیم ملتان کا ذکر کیوں کیا ہے۔ میں نے بات براہ راست شروع کیوں نہیں کی جیسے عموماً کی جاتی ہے۔ کسی بھی نوجوان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے اور اس کے لئے دعائیہ مضمون تحریر کرتے ہوئے۔ میں نے یہ سارا منظر نامہ اس لئے تحریر کیا کہ مجھے ارشد عباس ذکی کی کتاب کے نام نے اس کی شاعری کی طرح اپنی جانب متوجہ کیا۔ ''زندگی سے ملتے ہیں'' کتاب کا یہ عنوان پڑھتے ہی بہت سے سوالات

سامنے آتے ہیں۔ زندگی سے ملنے کی خواہش اپنی جگہ لیکن زندگی سے ملنا فی زمانہ ممکن بھی ہے یا نہیں؟ اور زندگی کے مختلف زاویوں پر بات کرتے ہوئے ہمیں اپنا شہر ملتان یاد آتا ہے جو زندگی کی علامت ہے۔ ایک زندہ شہر، ایک سانس لیتا، دلوں میں دھک دھک کرتا شہر۔ کہ ملتان کی طرح دل بھی تو زندگی کی سب سے بڑی علامت ہے۔ ملتان اور دل کا جب ذکر آتا ہے تو محبت کا بیان ہوتا ہے۔ ارشد عباس ذکی کی شاعری سماعت میں گونجتی ہے۔ دل سے دعا نکلتی ہے۔ وہی دعا جو ہمیں ارشد عباس ذکی کی شاعری میں جا بجا ہاتھ اٹھائے ملتی ہے۔

''زندگی سے ملتے ہیں'' کو اگر آج کے تناظر میں دیکھیں تو اس کی الگ معنویت ہے لیکن زندگی سے ملنے کی یہ خواہش تو آفاقی ہے۔ یہ ہر دور اور ہر عہد کی آواز ہے۔ زندگی سے ملنے کی خواہش ہی تو ہے جو ہمیں زندہ رکھتی ہے اور جب تک یہ آرزو زندہ رہتی ہے ہم زندہ رہتے ہیں۔ جس روز یہ آرزو دم توڑتی ہے، امکان ختم ہوتا ہے، آس ٹوٹتی ہے تو سانسوں کی ڈور بھی ساتھ ٹوٹتی ہے۔ پھر ہم کسی رسی کے ساتھ جھولتے ہیں اور سانسوں کی بجائے رسی کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ خوابوں سے نجات کے لئے خواب آور گولیوں کی پوری شیشی حلق میں اُتارتے ہیں، وسعت میں گم ہونے کے لئے کسی دریا میں چھلانگ لگاتے ہیں، رائیگاں سفر ختم کرنے کے لئے مسافر کی طرح کسی ریلوے لائن پر جاتے ہیں اور ٹرین کی دھمک میں گم ہو جاتے ہیں۔ کسی تیز دھار آلے سے اپنی کلائی کاٹ کر خود کو ہولے ہولے عدم کی طرف جاتا دیکھتے ہیں، کسی قاتل کا انتظار کئے بغیر خود اپنی کنپٹی کو نشانہ بناتے ہیں۔ جنہیں زندگی نہیں ملتی وہ زندگی کو خود دھتکار دیتے ہیں۔ زمانہ انہیں بزدل اور زندگی انہیں بہادر سمجھتی ہے۔ لیکن یہ بہادری سب کے بس کی بات تو نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جیتے جی مر جانے کا راستہ۔ آنکھوں میں ویرانیاں اور چہرے پر اداسی رقم کرنے کا راستہ۔ یہ زیادہ اذیت ناک راستہ ہے۔ لمحہ لمحہ موت کا شکار ہونے، ایک لمحے کے لئے زندہ ہو کر دوبارہ مرنے کا راستہ۔ سو وہ جیتے ہیں اس اذیت اور اس کرب کے ساتھ اپنی بزدلی کی قیمت خود ادا کرتے ہیں۔

ارشد عباس ذکی اداس چہرے، اداس لہجے اور اداس شعر کہنے والا ایک نوجوان ہے جو زندگی کی تلاش میں نکلا ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں قدم، قدم پر خوف ہے، جہاں قدم، قدم پر بے یقینی ہے اور جہاں قدم، قدم پہ زندگی کے نام پر موت تقسیم کی جا رہی ہے۔ اس ماحول اور اس معاشرے میں وہ زندگی سے ملنے کا عزم لے کر آیا ہے۔ اس کے چہرے پر اگرچہ ویرانی ہے، اس کی آنکھوں میں اگرچہ اداسی اور لہجے میں اگرچہ خوف ہے لیکن اس کی شاعری میں حوصلہ ہی حوصلہ ہے۔ ایک ایسا حوصلہ جو زندگی کی جستجو میں زادِ راہ کا کام دیتا ہے۔ ایک ایسا حوصلہ جو قفس میں رہنے والوں کو بھی اُڑان دیتا ہے اور جن کے پاس یہ حوصلہ موجود ہو زندگی خود ان سے ملنے آ جاتی ہے۔ خواہ خزاں موسموں میں ہی ملنے کو کیوں نہ آئے۔ لیکن ارشد عباس ذکی تو ابھی بہار لمحوں میں ہی زندہ ہے۔ وہ آج کے عہد کا شاعر ہے۔ بہت تیزی کے ساتھ بہت کچھ کرنا چاہتا ہے لیکن اس عجلت میں بھی تحمل موجود ہے۔ وہ ایک لمحے میں تمام فاصلے طے کرنے کی بجائے دھیرے دھیرے زندگی تک پہنچنا اور اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کسی خوبصورت موڑ پر، کسی دریا کنارے، کسی جھیل کے کونے میں، کسی درخت کے پاس، کسی وادی میں، کسی صحرا میں یا شہر کی کسی گلی، کسی کوچے، کسی بالکونی میں زندگی اس کی منتظر ہوگی۔ وہ اسمِ محبت کا ورد کرتے ہوئے عشق کی جست کے ساتھ اس تک ضرور پہنچے گا۔

میں نے اس یقین کا اظہار اس لئے کیا کہ میں گزشتہ چار، پانچ سال سے اس کے شعری سفر کو بغور دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مختصر وقت میں ہم عصروں میں اپنا مقام بنایا ہے۔ بہت مختصر وقت میں شاعری کے رموز سے آشنائی حاصل کی ہے۔ وہ ایک سعادت مند اور مؤدب نوجوان کی طرح خاموشی کے ساتھ محفلوں میں آتا ہے اور آخری نشستوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ خود کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا کہ اسے معلوم ہے کہ خود کو حرفِ آخر سمجھنے والوں کو زمانہ حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔ جدید لب و لہجہ، نیا اسلوب اور منفرد مضامین اس کی شاعری کا وہ حسن ہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

کل کے ملتان میں شاعری کے زوال پر بہت گفتگو ہوتی تھی۔شعری افق پر ارشد عباس ذکی اور اس کے ہم عصر نوجوانوں کے طلوع کے بعد یہ گفتگو دم توڑ گئی ہے۔عرش صدیقی، عاصی کرنالی، اسلم انصاری، حسین سحر، اقبال ارشد، محمد امین، انور جمال نے شاعری کی جو مشعل قمر رضا شہزاد، وسیم ممتاز، شاکر حسین شاکر، نوازش علی ندیم میرے حوالے کی تھی ہم بہت فخر کے ساتھ وہ ضیاء ثاقب بخاری، سید سہیل عابدی، راشد نثار جعفری، عمار یاسر مگسی اور ارشد عباس ذکی کے حوالے کر رہے ہیں۔اس یقین کے ساتھ کہ وہ اس مشعل کی روشنی میں زندگی اور محبت کی تلاش و تقسیم کا عمل جاری رکھیں گے۔

رضی الدین رضی
13/04/2012

☆☆ کتاب کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی تھی کہ 24 اپریل 2012ء کو میرے بڑے بھائی اور خوبصورت شاعر راشد نثار جعفری (جس کو اس کتاب کی اشاعت پر سب سے زیادہ خوشی تھی) اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔اس کتاب کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو اس دوران راشد نثار کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔اس کی جدائی کا دکھ زندگی بھر میرے ساتھ رہے گا۔

ارشد عباس ذکی

○

ارشد عباس ذکی حبس کے موسم میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اور نوجوان جسم میں صدیوں پرانی مقید روح ہے۔ادب قبیلے میں ایک خوبصورت اضافہ ہے جسکی شاعری اس کی عمر سے بہت بڑی ہے۔اس کی شاعری زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔محبت،احساسِ محرومی، معاشرتی درد اور دور حاضر کی تمام تکالیف پر محیط نظر آتی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ ارشد عباس ذکی ایک ایسی آواز ہے جس کی گونج کو قید نہیں کیا جا سکتا۔

راشد نثار جعفری (مرحوم)

ارشد ذکی نوجوان شاعر ہے لیکن جب تک آپ کی ملاقات ارشد عباس ذکی سے نہ ہو آپ کو یہ احساس نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام کسی نوجوان شاعر کا ہے۔اگر کسی نے ارشد عباس ذکی کی شاعری صرف پڑھی یا سنی ہو تو اسے ذکی سے مل کر یقیناً خوشگوار حیرت کا احساس ہوگا۔ذکی اپنی شاعری میں بہت ہی مشکل باتوں کو اتنی سہولت سے کہہ جاتا ہے کہ اس کے اشعار دل و دماغ میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ذکی کی شاعری میں غم جاناں بھی ہے اور غم دوراں بھی۔اس کی شاعری سے ہمیں محبت،وفا،اخلاص اور پیار کے کئی چشمے پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ذکی کو اپنی اہمیت کا احساس ہے اور اسے پتہ ہے کہ خدا نے اسے شاعر بنا کر بھیجا ہے۔اسی لئے وہ اپنی شاعری میں معاشرتی ناہمواریوں،نفرت،تعصب اور منافقت جیسے ناسوررویوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ذکی دکھ دینے والے کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔اسی لئے تو وہ یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے۔

؎ لوگ تو ہاتھ اٹھاتے ہیں ستم کرنے کو
ہم اگر ہاتھ اٹھاتے ہیں، دعا کرتے ہیں

دعا ہے کہ وہ اسی طرح خوبصورت شعر کہتا رہے۔

عمار یاسر مگسی

حرفِ آغاز

زندگی سے ملنے کی خواہش نے مجھے ہر لمحہ بے چین رکھا۔ زندگی کی تلاش کا سفر تھکا دینے والا ضرور ہے لیکن یہ سفر بے معنی ہر گز نہیں ہے۔ ایک ایسا سفر جس میں قدم قدم پر مصائب و آلام آپ کے منتظر ہوں، ایک ایسا سفر جس میں سراب ہی سراب ہوں، ایک ایسا سفر جس میں یادیں ہمسفر اور خواب زحتِ سفر ہوں، کوئی آسان سفر نہیں ہوتا۔ میرا یہ سفر ابھی ختم نہیں ہوا، میں نے ابھی حوصلہ نہیں ہارا۔ ''زندگی سے ملتے ہیں'' ایک پڑاؤ کے دوران رقم کی گئی اس سفر کی داستان ہے جواب تک میں طے کر چکا ہوں۔ ابھی مجھے کتنا سفر کرنا ہے' میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر آپ کی محبتیں شریکِ سفر رہیں تو میں ضرور منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ ورنہ' مجھے تو یہ سفر کرنا ہی ہے۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

اظہارِ تشکر:

میں ممنون ہوں جناب رضی الدین رضی صاحب کا جنہوں نے مجھے سخن ورفورم جیسا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ سخن ورفورم کے تمام اراکین جناب رضی الدین رضی، شاکر حسین شاکر، قمر رضا شہزاد، نوازش علی ندیم، وسیم ممتاز، سید مسعود کاظمی، سید سہیل عابدی، راشد نثار جعفری (مرحوم)، ضیا ثاقب بخاری، عمار یاسر مگسی، ڈاکٹر علی شاذف، شارق عبیر، ضمیر ہاشمی، قیصر عمران اور ذوالفقار علی مگسی کی محبتیں میرا سرمایہ ہیں۔ فرتاش سید، راکب قاپوری، نعیم اختر آزاد، علی رضا، خضر عباس جعفری، قیصر توفیق قیس، ممتاز بھٹہ، احسن علی، محمد وقاص، جعفر حسین اور اُن سب دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ پیارے بھائی مدثر خان (آرٹ پچ میوزک اکیڈمی) کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی معاونت فرمائی۔

ارشد عباس ذکی

میری تخلیق، مرے حلقۂ احباب کے نام!
چشمِ ویراں میں بکھرتے ہوئے ہر خواب کے نام!

جس نے بخشی ہے مجھے دولتِ اقلیمِ سُخن
مسکراتی ہوئی اُس صورتِ مہتاب کے نام!

جذبۂ عشق ہے خود رفتگیء یار کی نذر
اور اک ہجرِ مسلسل دلِ بے تاب کے نام!

درد دیتی ہے مجھے آج بھی ماضی کی چبھن
صفحۂ زیست میں مرقوم ہر اک باب کے نام!

تو نے جس وقت مرے زخم پہ مرہم رکھا
دل کا سب چین اُسی لمحۂ نایاب کے نام!

موسمِ وصل میں گزرے ہوئے لمحوں کا خراج!
چشمِ بےنور میں اُمڈے ہوئے سیلاب کے نام!

جس نے سونپا ہے مرے قلب کو بے نام سا درد
مرا ہر لفظ اُسی ''دستِ حنایاب'' کے نام!

کس طرح پھر سے سمیٹوں یہ بکھرتا ہوا جسم؟
اپنی ہر سانس کروں ساغرِ زہراب کے نام!

جس نے سینچا ہے مرے گرد گلستانِ سُخن
ان گلابوں کی مہک ارشدؔ میراب کے نام

(حمد)

شکستہ حال سہی اپنا گھر عطا کر دے
مری دعاؤں کو اب تو اثر عطا کر دے

میں چاہتا ہوں ترے آسماں کی سیر کروں
خدائے خیر! مجھے بال و پر عطا کر دے

تو مہربان ہے آلِ نبیؐ کے صدقے میں
شعورِ ذات دے دستِ ہنر عطا کر دے

گنوا نہ دیں کہیں مجھ کو تخیلات مرے
جو تجھ سے جا کے ملائے وہ در عطا کر دے

مرا وجود جو سمٹا ہوا ہے نقطے میں
تُو اس کو وسعتِ قلب و نظر عطا کر دے

(نعت)

پہلے یہ قریۂ ویران بسایا گیا ہے
پھر ترے نورِ مجسم کو بلایا گیا ہے

جل نہ جائیں یہ کہیں ہاتھ ملانے والے
نور کو خاک کے پیکر میں چھپایا گیا ہے

ہر زمانے کو ترے نور سے روشن کر کے
چاند کے زعم کو مٹی میں ملایا گیا ہے

بس! یہ احساس ہی کافی ہے شفاعت کے لیے
دل تری خاکِ کفِ پا سے بنایا گیا ہے

حُب سرکار میں قربان مرے دونوں جہان
آپؐ کا عشق مرے دل میں سمایا گیا ہے

(سلام)

شعورِ فکر دیا جائے، آگہی دی جائے
غمِ حسینؑ سے ذہنوں کو تازگی دی جائے

یہ رزقِ اشک ہر اک شخص پر اُترتا نہیں
ضروری کب ہے کہ ہر آنکھ کو نَمی دی جائے

یہ عمر کافی نہیں تیرا غم منانے کو
طلوعِ حشر تلک مجھ کو زندگی دی جائے

علیؑ کے ذکر سے دل باز آنے والا نہیں
صلیب و دار پہ چاہے مری بلی دی جائے

ضعیف ذہن کو ممکن نہیں کسی بھی طرح
ولائے آلِ محمدؐ کی روشنی دی جائے

یہ آنکھ شاہ کو رونے سے رکنے والی نہیں
ستم کے ساتھ اگرچہ نکال بھی دی جائے

سرِ حسینؑ، ردائیں، دُرِ سکینہؑ کے ساتھ
ہمیں جلے ہوئے خیموں کی راکھ بھی دی جائے

ذکی ہمارے لئے کم نہیں تبرّک سے
ہمیں امامؑ کے قدموں کی خاک ہی دی جائے

(نذرِ محسنؔ نقوی)

ہجر کی دھوپ میں ساون کی گھٹا محسنؔ ہے
میں تو کچھ بھی نہیں، استاد مرا محسنؔ ہے

کون رکھ جاتا ہے چپکے سے مرے دل پہ حروف
میں نے پوچھا تو مرے دل نے کہا محسنؔ ہے

مجھے کیا علم کہ کیا ہوتا ہے تنہائی کا خوف
بن کے سایہ جو مرے ساتھ چلا محسنؔ ہے

آج بھی سینہ سپر ہے وہ عدو کے آگے
چشمِ قاتل سے ڈرا ہے نہ جھکا محسنؔ ہے

بابِ تاثیر کو چھو آئیں مری آہیں ذکی
میں گنہگار مرا دستِ دعا محسنؔ ہے

○

چاک ہو جائے اگر روح کی پوشاک میاں
دشت میں جا کے پہن لیتے ہیں ہم خاک میاں

خاک سمجھو گے ہمیں؟ خاک سمجھتے ہو ہمیں!
تم تو رکھتے ہی نہیں خاک کا ادراک میاں

اب تو اس دشت کو ہم لوگ بسائے ہوئے ہیں
تھی کسی دور میں یہ قیس کی املاک میاں!

ہم زمیں زاد ترا ساتھ نبھانے سے رہے
راس آ جائے تجھے صحبتِ افلاک میاں!

ان ہواؤں سے ذکی کیسے شکایت کی جائے
اپنا ہی جسم ہو جب صورتِ خاشاک میاں!

○

آنکھ سے اشک بہاتے ہیں دعا کرتے ہیں
ہم فقیر آتے ہیں، جاتے ہیں دعا کرتے ہیں

لوگ تو ہاتھ اٹھاتے ہیں ستم کرنے کو
ہم اگر ہاتھ اٹھاتے ہیں دعا کرتے ہیں

جو نئے لوگ محبت کی طرف آتے ہیں
ہم انہیں راہ دکھاتے ہیں دعا کرتے ہیں

مشعلِ قلب بھڑکتی رہے اے ربِ کریم!
جب دیا کوئی جلاتے ہیں دعا کرتے ہیں

دوست آباد رہیں اور عدو شاد رہیں
ہاتھ زخموں کو لگاتے ہیں دعا کرتے ہیں

اس کی پوروں میں نہ چبھ جائے کوئی کرچی کہیں
آئینے ٹوٹتے جاتے ہیں دعا کرتے ہیں

ہم سے درویش صفت، خاک نشیں لوگ ذکی
راہ سے سنگ ہٹاتے ہیں دعا کرتے ہیں

○

رنگ جب روشنی سے ملتے ہیں
زاویے زندگی سے ملتے ہیں

ایک مدت کے بعد بچھڑے ہوئے
کتنی دیوانگی سے ملتے ہیں

بس! مقدر ملا رہا ہے ہمیں
ورنہ ہم کب کسی سے ملتے ہیں

ہم کسی پر نہیں ہیں بوجھ مگر!
لوگ کیوں بے رُخی سے ملتے ہیں؟

اُن کا مرہم نہیں زمانے میں
زخم جو دوستی سے ملتے ہیں

یاد آتے ہیں خدوخال ترے
جب بھی ہم چاندنی سے ملتے ہیں

اُس کی تصویر دیکھتے ہیں ذکی
آؤ پھر زندگی سے ملتے ہیں!

○

عشق اب باعثِ آزار بھی ہو سکتا ہے
دل مرا ہجر میں مسمار بھی ہو سکتا ہے

جو مرے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھنے دیتا!
مرے رستے کی وہ دیوار بھی ہو سکتا ہے

اُس کے قدموں میں یہی سوچ کے دل پھینک دیا
خوبصورت ہے' وفادار بھی ہو سکتا ہے ______!

تُو تمنائی ہے پھولوں کا، مگر دھیان رہے
سنگ پھولوں کے کوئی خار بھی ہو سکتا ہے

یہ بڑی بات نہیں آج ہے گر تخت نشیں!
وقت بدلا تو سرِ دار بھی ہو سکتا ہے

مذہبِ عشق میں یادوں سے رہائی کے لئے
ہاتھ پھیلا کے گنہگار بھی ہو سکتا ہے

اتنی جلدی نہ کرو ترکِ تعلق میں ذکیؔ
بے وفا کل کو وفادار بھی ہو سکتا ہے!

○

خواب شرمندۂ تعبیر بھی ہو سکتا ہے
آج وہ مجھ سے بغل گیر بھی ہو سکتا ہے

اس کی نظروں میں تعلق ہے گھروندے کی طرح
ٹوٹ جائے تو یہ تعمیر بھی ہو سکتا ہے

اے مرے لال! ضروری نہیں پانی ہی ملے
دستِ قاتل میں کوئی تیر بھی ہو سکتا ہے

یہ نہ سمجھو کہ مرے دل میں ہی رہ جائے مکیں
درد قرطاس پہ تحریر بھی ہو سکتا ہے

تُو بضد ہے کہ مرے ساتھ سفر پر نکلے
سوچ، صحرا مری تقدیر بھی ہو سکتا ہے

جو بہاتا ہے سرِ عام غریبوں کا لہو
وہ یہاں صاحبِ توقیر بھی ہو سکتا ہے

اے مرے دوست! شباہت پہ یوں مغرور نہ ہو
تُو اگر چاند ہے تسخیر بھی ہو سکتا ہے

بس اسی خوف سے لگتی ہی نہیں آنکھ ذکی
اب جنوں باعثِ تشہیر بھی ہو سکتا ہے

○

دل کا یہ زخم ہے، ناسور بھی ہو سکتا ہے
یہ تری ذات کا منشور بھی ہو سکتا ہے

وصل کی شب بھی اسی خوف میں بیتی جائے
آج پہلو میں ہے کل دور بھی ہو سکتا ہے

سنگباری سے پریشان نہ ہو میرے حبیب!
یہ تو اس شہر کا دستور بھی ہو سکتا ہے

اب تو وہ جوش میں کہتا ہے کہ 'میں تیرا ہوں'
کل کسی موڑ پہ مجبور بھی ہو سکتا ہے

فن کی تحریف نہ کر ایسے حقارت سے نہ دیکھ
وہ جو گمنام ہے مشہور بھی ہو سکتا ہے

مثلِ خورشید چمکتے ہوئے چہرے کی طرف
ایسے دیکھے گا تو بے نور بھی ہو سکتا ہے

کیا خبر کون ہو اب گردشِ دوراں کا شکار
حاکمِ شہر بھی، مزدور بھی ہو سکتا ہے

وہ جو نکلا ہے مرے دل کو مسخر کرنے
اس کو کیا علم کہ محصور بھی ہو سکتا ہے

اس کے ہو جاتے ہو ہر شخص کو ٹھکرا کے ذکی
وہ اسی بات پہ مغرور بھی ہو سکتا ہے

حقیقت

طلسمِ آب و گل نے
زیست کے ہر زاویے کو
اس طرح بدلا
کہ ہونے اور نہ ہونے کے عمل کے درمیاں
لا ذہن بیٹھا تھا!
تو اک باریک سے نقطے سے
اتنی روشنی پھوٹی
کہ عکسِ ذات ـــــ واضح طور پر مجھ کو نظر آیا
تبھی مجھ کو یقیں آیا !!!
طلسمِ آب و گل سے ماورا ہو کر ـــــ اگر سوچوں
مرا ہونا ـــــ ''حقیقت'' ہے۔

○

ہوا سے ہاتھ چھڑانا بہت ضروری تھا
کہ اب چراغ جلانا بہت ضروری تھا

ہمارے زخم اگر اور بڑھ گئے بھی تو کیا؟
تمہارا درد بٹانا بہت ضروری تھا

مری زمین! مرے دل میں بھی شگاف سا ہے
یہ راز تجھ کو بتانا بہت ضروری تھا

طویل نیند سے بیدار ہو رہے تھے شجر
سو اب چراغ بجھانا بہت ضروری تھا

مری تو جنگ مرے اپنے ہی وجود سے تھی
عدو کو ساتھ ملانا بہت ضروری تھا

یہ راستے جو مرے چار سُو بچھے تھے ذکی
کسی طرف کو تو جانا بہت ضروری تھا

○

پیکرِ خاک میں نمی نہ رہی
تُو جو بچھڑا تو زندگی نہ رہی

ہم بھی مثلِ غبارِ خاک ہوئے
تیری صورت بھی چاند سی نہ رہی

روز مصلوب جسم دیکھتا ہوں
شہر میں ظلم کی کمی نہ رہی

حرفِ معدوم ہو رہے ہیں سبھی
چشمِ بینا میں روشنی نہ رہی

آرزو! تیرے بعد، سوچتا ہوں
سانس اپنی رہی، رہی، نہ رہی

جب سے میں دشت میں مقیم ہوا
شہر والوں سے دشمنی نہ رہی

میرا ہونا تھا جس کے ہونے سے!
وہ مرے پاس واقعی نہ رہی!!

کون بانٹے گا اپنا درد ذکی
جب یہاں رسمِ دوستی نہ رہی

○

کنارِ چشم پہ آنسو سجا کے دیکھ لیا
کچھ اس اَدا سے بھی دل کو لبھا کے دیکھ لیا

ذرا بھی کم نہ ہوئی تیرگی مقدر کی
چراغ جب نہ ملا، گھر جلا کے دیکھ لیا

غمِ فراق ابھی اور بڑھ کہ چین ملے
دریدہ روح پہ مرہم لگا کے دیکھ لیا

تو ایک شخص کو اب تک بھلا نہیں پایا
دلِ تباہ! تجھے آزما کے دیکھ لیا

یہی بچا ہے تعلق اب اُس کے ساتھ ذکی
کہیں ملا تو اُسے مسکرا کے دیکھ لیا

○

سکوتِ شب پہ چھا گیا سحاب سرخ رنگ کا
وہ رکھ گیا کتاب میں گلاب سرخ رنگ کا

جو مثلِ برگِ زرد تھا لہو، لہو ہے آج کل
مِٹا نہ دے اُسے کہیں عذاب سرخ رنگ کا

جھکا نہ پائے گی ہمیں تری نگاہِ آتشیں
کہ ہم تو پڑھتے آئے ہیں نصاب سرخ رنگ کا

جو خواہشِ وصال تھی، دلوں میں دب کے رہ گئی
ہمارے درمیاں رہا حجاب سرخ رنگ کا____!

پھر اس کو میں نے اپنے خونِ دل سے ایک خط لکھا
کہا تھا اس نے بھیجنا، جواب سرخ رنگ کا

جسے خودی سے بڑھ کے اپنی زندگی عزیز ہے
وہ کس طرح کرے گا انتخاب سرخ رنگ کا

ذکی وہ بدنصیب ہوں تمام عمر کٹ گئی
نہ کر سکا عبور میں سراب سرخ رنگ کا

○

راس آیا نہیں یہ سال مجھے
اِس کا ہوتا رہا ملال مجھے

میں ابھی تک اِسی یقین میں ہوں
عشق کر دے گا لازوال مجھے

ہو جو ممکن تو میری آنکھیں پڑھو!
کوئی آتا نہیں سوال مجھے

تو مرے سامنے ہے، میرا نہیں
اِس اذیت سے اب نکال مجھے

رکھ دیا خود کو تیرے قدموں میں
اے مرے دوست! لے سنبھال مجھے

جب سے ٹوٹے ہیں میرے خواب ذکی
سانس لینا ہوا مُحال مجھے

○

مفاہمت کا کوئی راستہ نکالیں گے
میں سوچتا تھا' محبت کو ہم بچا لیں گے

غرور ٹوٹ ہی جائے گا آسمان کا پھر
زمیں' زمین کہاں سر پہ جب اٹھا لیں گے

کوئی فقیر ملے گا تو اک روپے کے عوض
سلامتیءِ محبت کی ہم دعا لیں گے!

وہ لوگ جن کی حراست میں دل رہا، مرے یار
خبر نہ تھی کہ مرے خواب بھی چُرا لیں گے

یہ عاجزی تو ہمیں عشق نے عطا کی ہے
عدو بھی آئے تو سینے سے ہم لگا لیں گے

وہ ایک شخص جو اپنا بنا کے بھول گیا
کبھی ملا تو اُسے زندگی بنا لیں گے

ذکی چلو کہ بہت دن ہوئے ہیں روئے ہوئے
کسی کی یاد میں کچھ اشک ہی بہا لیں گے

○

پرکھا اُسے تو وہ بھی مرے دشمنوں میں تھا
جس شخص کا شمار مرے دوستوں میں تھا

یہ بات اور چاندنی صحرا میں کھو گئی
لیکن وجود اس کا مری خواہشوں میں تھا

آنکھوں کو خواب دیکھنے کا شوق تھا بہت
یہ تھا تو اک فریب مگر عادتوں میں تھا

شہروں میں زندگی کی خبر ہے نہ چین ہے
جینے کا جو سکون تھا وہ بستیوں میں تھا

اے دوست! یہ فریب نظر ہے نہ وہم ہے!
کچھ دیر پہلے چاند' انہی کھڑکیوں میں تھا!

مجھ کو ذکیؔ' تھا جس کی وفاؤں پہ اعتبار
شامل مرے خلاف وہی سازشوں میں تھا

○

مجھے مت ڈھونڈ میں کھویا نہیں ہوں
مگر تجھ کو نظر آتا نہیں ہوں

نجانے کتنے غم ہیں ساتھ میرے
میں تنہا ہوں، مگر تنہا نہیں ہوں

کوئی تو ہو تجھے میری خبر دے
کئی راتوں سے میں سویا نہیں ہوں

مجھے تو چھوڑ کر جیسے گیا تھا
وہی ہوں آج بھی، بدلا نہیں ہوں

بنا لوں گا میں اپنا راستہ خود
ہوں تیرا ہمسفر، سایہ نہیں ہوں

ذکی مجھ کو بزرگوں کی دُعا تھی
میں ٹوٹا ہوں مگر بکھرا نہیں ہوں!

○

یہ جو تصویرِ کائنات ہے دوست!
اِس میں کوئی نہ کوئی بات ہے دوست!

مقصدِ خلقتِ بشر ہے سوال
جس میں اُلجھی ہوئی حیات ہے دوست!

تجھ کو دُنیا کی بے حسی کا ملال
اور مجھ کو تو کربِ ذات ہے دوست!

تُو نے چھوڑا ہے جب سے ہاتھ مرا
بے ثباتی کو اب ثبات ہے دوست!

میں جو ان بے گھروں پہ روتا ہوں
بس یہی باعثِ نجات ہے دوست!

تُو جو بچھڑا تو یوں لگا ہے ذکی
زندگی اک طویل رات ہے دوست

آنکھیں

تری آنکھیں
ستاروں سی حسیں آنکھیں
اُجالے بانٹتی ہیں،نور کی برسات کرتی ہیں
نہ جانے کتنے لہجوں میں خوشی کی بات کرتی ہیں
انہیں میں جھیل سمجھا تھا!
مگر یہ تو سمندر سے بھی گہری ہیں۔۔۔۔۔
میں اک بے نام سا شاعر
کہ جس کو اپنے ہونے کا یقیں اب تک نہیں آیا
تری آنکھوں کو کیا سمجھے؟؟؟
مگر یہ اک حقیقت ہے
ترا بے نام سا شاعر
تری آنکھوں پہ مرتا ہے

○

حقیقت تھی، فسانہ ہو گیا ہے
ہوا جو، منصفانہ ہو گیا ہے

چلو اچھا ہوا ہم بے گھروں کا
ترے دل میں ٹھکانہ ہو گیا ہے

مری جاں! میں تمہارا کیا ہوا ہوں
مرا دشمن زمانہ ہو گیا ہے

حصارِ حبس ٹوٹا مشکلوں سے
یہ موسم بھی سہانا ہو گیا ہے

عقیدت اور بھی بڑھنے لگی ہے
شجر اتنا پرانا ہو گیا ہے

ذکی آؤ، مری باہوں میں آؤ
بہت رونا رلانا ہو گیا ہے

○

حرفِ غلط نہ تھے تو مٹا کیوں دیئے گئے
ہم لوگ! سولیوں پہ چڑھا کیوں دیئے گئے

جب نور زندگی کی علامت نہیں رہا
رنگوں میں اتنے رنگ ملا کیوں دیئے گئے

تشنہ لبوں کی یاد میں سیلاب آ گیا!
آنکھوں سے اتنے اشک بہا کیوں دیئے گئے؟

ہاتھوں میں خوش نصیبی کی ریکھا کے باوجود
ہم اتنے بد نصیب بنا کیوں دیئے گئے

یہ مفلسانِ شہر گنہگار تو نہ تھے
دوزخ نُما جہاں میں جلا کیوں دیئے گئے

جو مرکزِ نگاہ رہے ایک عمر تک
زیرِ زمیں وہ چاند سُلا کیوں دیئے گئے

جو خواب ہم نے دیکھے تھے مل کر کبھی ذکیؔ
اتنی بلندیوں سے گرا کیوں دیئے گئے

O

رات بھر سو نہیں سکا ہوں میں
دوست! خود سے بچھڑ گیا ہوں میں

شکر کرتا ہوں، جب کرے وہ عطا
شعر کو رزق مانتا ہوں میں!

دن کو فکرِ معاش رہتی ہے
رات کو خواب دیکھتا ہوں میں

کوئی بتلائے، یہ جہاد نہیں؟
ظلم کو ظلم کہہ رہا ہوں میں

میں کہ اک عمر کا تھکا ہوا تھا
اوڑھ کر خاک، سو گیا ہوں میں

جرم کچھ اور تو نہیں ہے ذکی
شہر میں پیار بانٹتا ہوں میں

○

اک طرف خواب، اک طرف آنکھیں
خواب موتی ہیں اور صدف آنکھیں

اک مسیحا کی خواستگار ہیں یہ
لے چلی ہیں مجھے نجف آنکھیں

رو پڑیں بے گھروں کے تذکرے پر
ہو گئیں کتنی با شرف آنکھیں

جب تُو بدلے تو کتنی حیرت سے!
دیکھتی ہیں تری طرف آنکھیں

کس کی آمد کی منتظر ہیں ذکی
ایک مدت سے صف بہ صف آنکھیں

○

مجھ کو ہوتا ہے وہ احساسِ جنوں تیرے بعد
خواب کرتے ہیں مری آنکھ کا خوں تیرے بعد

کتنے دن ہو گئے بے کار سا بیٹھا ہوا ہوں
سوچتا ہوں کہ کوئی شعر کہوں تیرے بعد

یاد کر کر کے تجھے، رات کی تنہائی میں
ترے لکھے ہوئے مکتوب پڑھوں تیرے بعد

مجھ کو کیا علم کہ کب رات کٹی، صبح ہوئی
میں تو پلکوں پہ ترے خواب بُنوں تیرے بعد

ایسا اُلجھا ہوں غمِ دہر میں‘ کچھ ہوش نہیں
کس نے پایا ہے مری جان سکوں‘ تیرے بعد

عمرِ رفتہ کا ہے سرمایہ ذکی ایک کتاب
اور یہ سرمایہ ترے نام کروں تیرے بعد

○

وہ بھی کیا دن تھے کہ بھرپور جیا کرتے تھے
ہم ترِے شہر میں بے خوف پھرا کرتے تھے

بُجھ گئے میرے مقدر کی طرح، ورنہ چراغ!
میرے گھر میں بھی سرِ شام جلا کرتے تھے

دیکھتا رہتا ہے سُوکھے ہوئے پتوں کی طرف
جس کے آنگن میں کبھی پھول کِھلا کرتے تھے

اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ مخاطب کرتے
ہم تو چپکے سے تجھے سوچ لیا کرتے تھے

میرے چہرے پہ جو زردی ہے ترے نام کی ہے
زہرِ قاتل تھے وہ آنسو جو پیا کرتے تھے

ان کو فرصت ہی نہیں ہے کہ مجھے یاد کریں
جو مرے نام کی تسبیح کیا کرتے تھے!

بس تجھے سوچتے رہتے تھے ذکی شام و سحر
کیا بتائیں کہ ترے ہجر میں کیا کرتے تھے

○

تجھ کو یوں دل سے بھلانا کوئی آساں بھی نہیں
خود کو شُعلوں میں جلانا کوئی آساں بھی نہیں

ٹوٹ جائیں تو بھِگو دیتے ہیں پلکیں اکثر
خواب آنکھوں میں سجانا کوئی آساں بھی نہیں

ہجر میں آنکھ سے نکلے ہوئے اک اشک کا بوجھ
اپنے کاندھے پہ اٹھانا کوئی آساں بھی نہیں!

اتنا مشکل بھی نہیں ہے اُسے اپنا کہنا!
اور یہ اُس کو بتانا کوئی آساں بھی نہیں

ٹوٹ جاتے ہیں کئی کانچ سے نازک رشتے
گاؤں کو چھوڑ کے جانا کوئی آساں بھی نہیں

ہم کو اک عمر لگی ترکِ تعلق میں ذکی
ہاتھ سے ہاتھ چھڑانا کوئی آساں بھی نہیں

○

نہ پوچھ کیا ہے مرے پاس' کچھ بچا ہی نہیں
جسے سمجھتا تھا سب کچھ مجھے ملا ہی نہیں

میں سوچتا ہوں کہ مانگوں تو تجھ سے کیا مانگوں
میرے اداس لبوں پر کوئی دعا ہی نہیں

جو جاننی ہے حقیقت تو میرے سینے لگو!
سنا رہی ہے زباں جو' یہ واقعہ ہی نہیں

وہ ہر کسی سے مرا ذکر میرے بعد کرے
کبھی ملے تو نظر بھر کے دیکھتا ہی نہیں

اُداس، اُداس پھروں میں تو اُس کو چین ملے
ہے سنگ دل بھی بہت صرف بے وفا ہی نہیں

میں کیا کہوں کہ مقدر ہی میرا جلنا ہے
مجھے ہے جس سے محبت اُسے پتہ ہی نہیں!

سنورنا ہو تو میں تصویر تیری دیکھتا ہوں
میں سنگ زاد' مرے گھر میں آئینہ ہی نہیں

مرے ہی گھر میں اندھیرا ہے' شہر روشن ہے
جلے ہیں ہاتھ ذکی' پر دیا جلا ہی نہیں

وہ بھی کیا عجب دن تھے

وہ بھی کیا عجب دن تھے
جب فگار پوروں سے
ہم فلک کے ماتھے پر، تیرا نام لکھتے تھے
صبح و شام لکھتے تھے
خواب دیکھتے رہنا مشغلہ ہمارا تھا
اپنے خواب کیسے تھے
آج سوچنے بیٹھوں تو ہنسی سی آتی ہے
خود کو دیو مالائی اک حسیں جزیرے کا
''بادشاہ'' دیکھتے تھے اور تجھ کو ''شہزادی''
وہ بھی کیا عجب دن تھے

وہ بھی کیا عجب دن تھے
جب گلی کی نکڑ پر سارا دن گزرتا تھا
صرف تیرے آنے کا انتظار کرتے تھے
تیری اک جھلک پاتے، دل سکون پاتا تھا
اور تیرے خوابوں میں، شب گزار دیتے تھے
تجھ سے جب خیالوں میں ہمکلام ہوتے تھے
نیند کی حسیں دیوی ہم سے روٹھ جاتی تھی
پھر اُسے منانے میں رات بیت جاتی تھی
وہ بھی کیا عجب دن تھے

وہ بھی کیا عجب دن تھے
جب ہماری آنکھوں میں روشنی سی رہتی تھی
سردیوں کی راتوں میں
جب ہوا کی سرگوشی کان میں اُترتی تھی
تیرا نام لیتی تھی
تیری یاد ہی ہم کو ٹھوکریں لگاتی تھی

اور تھام لیتی تھی......
وہ بھی کیا عجب دن تھے

وہ بھی کیا عجب دن تھے
جب حسین آنکھوں کی دید کو ترستے تھے
بے قرار رہتے تھے، انتظار کرتے تھے
اُن دنوں کی باتیں ہیں
جب ہمارے خوابوں میں
کاسنی قبا اُوڑھے تتلیاں اُترتی تھیں
جب بھی بات کرتے تھے
زندگی کے رنگوں کی، خوشگوار موسم کی
دلفریب جھرنوں کی، جگنوؤں کی، پھولوں کی
درد سے، اُداسی سے آشنا نہیں تھے ہم
بے وفا نہیں تھے ہم......
وہ بھی کیا عجب دن تھے

وہ بھی کیا عجب دن تھے
اب ہمارے جیون میں
رنگ ہیں نہ خوشبو ہے
پھول ہیں نہ جگنو ہے
اب ہمارے دامن پر خون ہے گلابوں کا
اب ہمارے کاندھوں پر تتلیوں کے لاشے ہیں
خواب مر چکے اپنے
زہر ہے فضاؤں میں
اور جی رہے ہیں ہم……
"وہ بھی کیا عجب دن تھے
یہ بھی کیا عجب دن ہیں……!"

○

ستا رہی ہے مجھے یادِ رفتگاں سرِ شام
بچھڑ گئے جو کبھی وہ ملے کہاں، سرِ شام

چلو کہ چاند سے چہروں کو جا کے دیکھ آئیں
کھلی ہیں کتنے دنوں بعد کھڑکیاں سرِ شام

بکھر رہے ہیں سبھی خواب اُن کی آنکھوں سے
اُداس بیٹھی ہیں گاؤں میں لڑکیاں سرِ شام

اُسے بتاؤ نگر چھوڑ کر چلا ہوں میں
کبھی نظر نہیں آؤں گا اب یہاں سرِ شام

ہوا کے مدِ مقابل، چراغِ نور لیے ــــــ!
پہنچ گیا ہے سرِ دشت، کارواں سرِ شام

جو لوگ دشت میں خیمے جلا رہے تھے ذکی
جلا رہے ہیں وہی لوگ بستیاں سرِ شام

○

میں تنہا تھا' میں تنہا ہی رہوں گا
مگر ہر حال چلتا ہی رہوں گا

کوئی سمجھا' نہ سمجھے گا کبھی بھی!
میں اپنا درد لکھتا ہی رہوں گا

مرے آنسو! اُسے اچھے لگے ہیں
میں ساری عمر روتا ہی رہوں گا

میں اپنی خاک پر نازاں بہت ہوں
سو میں اس کا حوالہ ہی رہوں گا

میں کہتا ہوں بشر بن کر مجھے مل!
وہ کہتا ہے، فرشتہ ہی رہوں گا

نظر آؤں گا، اک دن مختلف میں
میں جیسا ہوں، میں ویسا ہی رہوں گا

ذکی درویش نے مجھ سے کہا ہے
مثالِ دشت، پیاسا ہی رہوں گا

○

میں اپنی ذات کا جب رازداں نہیں ہوا تھا
یہ میرا درد کسی پر عیاں نہیں ہوا تھا

میں ہاتھ آنکھوں پہ رکھ کر گواہی دیتا ہوں
چراغ! صبح سے پہلے دھواں نہیں ہوا تھا

ضرور مجھ سے کوئی کام آ پڑا ہو گا
وہ اس قدر تو کبھی مہرباں نہیں ہوا تھا

اجاڑ ہوتا ہوا دل سوال کرنے لگا ____!
میں بدنصیب تو تھا بے نشاں نہیں ہوا تھا

ذکی دُکھوں نے ہی مجبور کر دیا ورنہ
میں زندگی سے کبھی بدگماں نہیں ہوا تھا

○

فاصلۂ امتحاں سے کم تو نہ تھے
جو تھے موسمِ خزاں سے کم تو نہ تھے

ہاتھ تنہا سمجھ کے چھوڑ گیا
ہم کسی کارواں سے کم تو نہ تھے

ڈوب جانا نصیب تھا ورنہ!
حوصلۂ بادباں سے کم تو نہ تھے

کیسی وسعت کی تھی تلاش تجھے؟
ہم کسی آسماں سے کم تو نہ تھے

جو ترِے ہجر میں بہائے' وہ اشک
سیلِ آبِ رواں سے کم تو نہ تھے

آج جو زخم دے رہے ہیں ذکی
کل کسی مہرباں سے کم تو نہ تھے

○

ہم نے احساس کو قرطاس پہ کب لکھا ہے
محفلِ درد کو بھی جشنِ طرب لکھا ہے

دوستو! اُس کو ستمگر نہ کہو اُس نے ہمیں
آخری خط میں بچھڑنے کا سبب لکھا ہے

فکرِ فردا ہے مجھے اور نہ ماضی کا ملال
جو بھی ہونا ہے مرے ساتھ' وہ 'سب' لکھا ہے

یہ تعارف ہی بہت ہے کہ عزادار ہوں میں
میرے سینے پہ مرا نام و نسب لکھا ہے

اپنے ہی حال پہ خود بیٹھ کے روتا ہوں ذکی
لکھنے والے نے مرا درد عجب لکھا ہے

○

نہ منزلوں کی ہوس ہے نہ ہمسفر کی تلاش
اندھیری شب کے مسافر کو ہے سحر کی تلاش

میں اس طرح سے دلِ ناسمجھ کی کھوج میں ہوں
ضعیف ماں کو ہو جیسے جواں پسر کی تلاش

طلب کیا ہے اگر تُو نے تو بُرا کیا ہے؟
ہر ایک شخص کو ہوتی ہے مال و زر کی تلاش

ابھی تو وقت ہے مل جاؤ دو گھڑی کے لئے
کہ رائیگاں نہ چلی جائے عمر بھر کی تلاش

زمین ماپ رہا ہے کہیں پہ دفن نہ ہو
یزیدِ وقت کو اب بھی ہے ایک سر کی تلاش

وہ کس طرح سے ذکی میرے ساتھ چل پاتا
اُسے کنارے کی خواہش، مجھے بھنور کی تلاش

○

چشمِ ویراں کو کوئی خواب دِکھا دھیرے سے
اپنی سوئی ہوئی تقدیر جگا دھیرے سے

مجھ کو اُلجھن ہے ترِی ذات سے اب چھوڑ مجھے
میری تنہائی نے کانوں میں کہا دھیرے سے

میری وحشت کا کوئی ذکر نہ کر شامِ الم
میرے محسن کا کوئی حال سُنا دھیرے سے

اپنی یادوں سے مٹا دے سبھی اُجلے چہرے
اپنی آنکھوں سے کوئی خواب چُرا دھیرے سے

وقتِ رخصت ہے تجھے آخری بوسہ دے لوں
اپنے رُخسار سے زُلفوں کو ہٹا دھیرے سے

پھیل جاتی ہے ترِے جسم کی خوشبو، جب بھی
تیرے آنچل کو اُڑاتی ہے ہوا دھیرے سے

خوفِ رسوائی ہمیں جینے نہیں دیتا ذکی
تجھ کو سوچا تو ترِا نام لیا دھیرے سے

عادت

تمہاری باتیں، تمہاری یادیں، تمہارا احساس
زندگی ہے ــــــــــــــــــ
تمہی تو میرے رفیقِ جاں ہو، شریکِ جاں ہو
تمہیں بھلاؤں، تمہاری آنکھوں سے دور جاؤں
تو یوں لگے، جیسے ساری دنیا بدل گئی ہے
میں جانتی ہوں، بچھڑ کے تم سے
نہ جی سکوں گی ــــــــــــــــــ

سنو! مجھے اب

تمہاری عادت سی ہوگئی ہے!!!

میں مُسکرا کراُسے یہ کہتا

کہ عادتیں تو بدل بھی سکتی ہیں

اور اُس کا جواب ہوتا

نہیں ذکی، یہ کبھی نہ ہوگا

مگر کوئی تھا، جو میرے اندر سے بول اٹھتا

کہ ایسا ہوگا ___________

وہی ہوا ہے کہ جس کا ڈر تھا

''وہ اپنی عادت بدل چکی ہے''

○

آیا ترا خیال تو میں مُسکرا اٹھا
دیکھا جو اپنا حال تو میں مُسکرا اٹھا

میں سوچتا تھا کیسے کٹے گی یہ زندگی
گزرا اک اور سال تو میں مُسکرا اٹھا

تجھ کو بھی ہے کسی سے محبت؟ مجھے تو ہے!
تُو نے کیا سوال تو میں مُسکرا اٹھا

میں چاہتا تھا تجھ کو، تجھے علم بھی نہ تھا
جب یہ ہوا کمال تو میں مُسکرا اٹھا

اب جان سے گزرنا ہی بہتر ہے دوستو
جینا ہوا محال تو میں مُسکرا اٹھا!

مخلص نہیں رہا میں ذکی اپنے ساتھ بھی
دل کو ہوا ملال تو میں مُسکرا اٹھا!

○

وقت اب کس کی دسترس میں نہیں
گر نہیں ہے تو میرے بس میں نہیں

بس! مرے دل میں بس گیا ہے کوئی
بھولنا اُس کو میرے بس میں نہیں!

ہم کو ان وحشتوں میں جینے دو
سانس لیں گے مگر، قفس میں نہیں

کیا خبر اِس برس ملے وہ ہمیں
جو ملا دو ہزار دس میں نہیں

وہ بھی میری طرح مجھے چاہے
بات یہ میرے ہم نفس میں نہیں

بس ترا ساتھ ہی نہیں ہے ذکی
اور کیا ہے جو اس برس میں نہیں

○

ہاتھوں سے مشقت کے یہ چھالے نہیں جاتے
مزدور سے دو بچے بھی پالے نہیں جاتے

سازش ہی کوئی لگتی ہے تاریک شبوں کی
ایسے تو کسی گھر سے اُجالے نہیں جاتے

اک عمر تلک دشت میں آوارگی کی ہے
اب پاؤں سے کانٹے بھی نکالے نہیں جاتے

وہ ہے کہ مرا نام تلک بھول چکا ہے
باتوں سے مری جس کے حوالے نہیں جاتے

ہو جائیں اگر آنکھ سے اوجھل بھی تو کیا ہے
دل سے تو ذکی چاہنے والے نہیں جاتے

○

بس ترا اسم مناجات میں رکھا ہوا ہے
گردشِ وقت کو اوقات میں رکھا ہوا ہے

یہ ترے عدل و مساوات میں رکھا ہوا ہے؟
تُو نے تو اَجر بھی درجات میں رکھا ہوا ہے !!!

اپنی ہر بات پہ ہوتا ہے ولایت کا گماں!
عشق نے کیسے طلسمات میں رکھا ہوا ہے

تُو نے جو آخری مکتوب مجھے بھیجا تھا
میں نے اک عمر سے برسات میں رکھا ہوا ہے

اب مجھے جا کے ہر اک در پہ صدا دینی ہے
جب مرا رزق ہی خیرات میں رکھا ہوا ہے

رونقِ شہر کبھی راس نہیں آئی ذکی
دل کو بہلا کے مضافات میں رکھا ہوا ہے

○

نَم آنکھوں میں خواب سجائے، راکھ ہوئے ہیں
آگ نے جتنے پھول کھلائے، راکھ ہوئے ہیں

شہر میں آگ بھڑک اٹھی ہے، پر وہ خوش ہے
اپنے ہیں محفوظ، پرائے راکھ ہوئے ہیں

سورج تو نکلا ہے لیکن دھوپ نہیں ہے!
دیواروں کے لمبے سائے، راکھ ہوئے ہیں

میرے ہاتھ ہی میری ذات کے منکر ٹھہرے
ریت پہ جتنے محل بنائے، راکھ ہوئے ہیں

○

زندگی! تجھ سے بھی گلے ہیں بہت
ہم تری کھوج میں چلے ہیں بہت

کھل نہ پایا کسی پہ حال اپنا
ورنہ ہمدرد تو ملے ہیں بہت

دل بہاروں میں ہے اُداس، اُداس
پھول شاخوں پہ تو کھلے ہیں بہت!

اب تو اے چاند! روبرو آ جا!
ہم ترے ہجر میں جلے ہیں بہت

روز ملتے ہیں یار لوگوں سے
پھر بھی دیکھو تو فاصلے ہیں بہت

بس ترا قرب ہی نہیں ہے ذکی
سانس لینے کے سلسلے ہیں بہت !!!

○

زندگی سے خوابوں کا سلسلہ نہیں ٹوٹا!
جب تلک سلامت تھے، رابطہ نہیں ٹوٹا!

بارشوں کا موسم بھی، معجزوں کا موسم ہے
پیڑ گر گیا لیکن، گھونسلہ نہیں ٹوٹا!

فاصلوں کے بڑھنے سے، بڑھ گئی محبت بھی
پتھروں میں رہ کر بھی، آئینہ نہیں ٹوٹا!

تُو نے اک نظر کیا کی، پاش پاش کر ڈالا
کوہکن کے تیشے سے، دل مرا نہیں ٹوٹا!

ہم لڑیں گے طوفاں سے، سانس تو سلامت ہے
دست و پا ہی ٹوٹے ہیں، حوصلہ نہیں ٹوٹا!

○

آ پڑا مرے سر پر رات کا سفر' تنہا
راستے تھے اَن دیکھے' چل پڑا مگر تنہا

آؤ اپنے حصے کی آگ باندھ لیں سر پر
جل رہے ہیں صدیوں سے دھوپ میں شجر تنہا

پوچھنے لگا مجھ سے' ایک دن عدو میرا
نیند کیسے آتی ہے؟ تجھ کو خاک پر تنہا!

جو مرے مقدر کے زائچے بناتا تھا
مسکرا پڑا تھا وہ' مجھ کو دیکھ کر تنہا

ہاتھ کی لکیروں میں تیرا ساتھ لکھا تھا
پر گزار دی ہم نے عمر' عمر بھر تنہا

محبت

مرے دل میں محبت ہے
مری ہر سوچ پاکیزہ خیالوں سے سنورتی ہے
مرے وجدان میں تم ہو!
مری آنکھوں میں جتنے خواب ہیں
وہ سب تمہارے ہیں۔۔۔۔۔
مرے ہر ذکر میں تم ہو
تمہیں تو علم ہے میری دعاؤں میں، صداؤں میں
تمہارا نام رہتا ہے

مگر میں اک مسافر ہوں

سفر بھی تو مقدر ہے۔۔۔۔۔

مگر میں ہر سفر میں تیری یادیں ساتھ رکھتا ہوں

مسافر کے لئے زادِ سفر بھی تو ضروری ہے

مجھے اب لوگ کہتے ہیں

بڑی مدت ہوئی میں نے نہیں دیکھا تمہیں' جاناں !!!

مگر میں نے تو دیکھا ہے تمہیں' پل، پل

زمانہ یہ سمجھتا ہے کہ اب ہم مِل نہیں سکتے

مگر ہم روز ملتے ہیں۔۔۔۔۔

یہ اندھے لوگ کیا جانیں؟؟؟

کہ آنکھیں ہیں مگر ان کو نظر کچھ بھی نہیں آتا

سمجھتے ہیں کہ دولت سے محبت کو مٹا دیں گے

مگر یہ بھول ہے ان کی

محبت مر نہیں سکتی، محبت مٹ نہیں سکتی

کسی ظالم کے ہاتھوں سے
محبت تو لہو بن کر بدن میں رقص کرتی ہے
محبت چاند کی صورت، ستاروں کی طرح
پلکوں کی جھالر پر چمکتی ہے
محبت تو مہکتی ہے-----

محبت کے لئے ''انسان'' نے قربانیاں دی ہیں
محبت ایک جذبہ ہے
اسی جذبے سے ''عاشق'' دشت کی بنجر زمینوں کو
لہو سے سینچ دیتے ہیں
محبت اور عقیدت کے ہزاروں گل کھلاتے ہیں
تو خوشبو پھیل جاتی ہے
گھٹائیں جھوم اٹھتی ہیں، فضائیں گنگناتی ہیں
پرندے آشیانوں میں خوشی کے گیت گاتے ہیں

محبت ابرِ رحمت ہے

یہ جس دل پر برس جائے

وہ دل ویراں نہیں رہتا

بہاریں لوٹ آتی ہیں

وہاں پر پھر خزاؤں کا کوئی امکاں نہیں رہتا

مرے دل میں محبت ہے۔۔۔۔۔

عید کے روز

اُس نے بخشا ہے مجھے درد نیا عید کے روز
وہ مرے سامنے غیروں سے ملا عید کے روز

لوگ ملتے تھے گلے عید مبارک کہہ کر
اور اک میں کہ رہا سب سے جدا عید کے روز

اُس کے آنگن میں چراغاں ہی چراغاں تھا مگر
میرے کمرے میں دیا تک نہ جلا عید کے روز

خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے بھٹکا ہوں بہت
لے کے ہاتھوں میں ترے گھر کا پتا عید کے روز

یار سب محوِ ملاقات تھے میں تنہا تھا
کون میرا ہے! یہ احساس ہوا عید کے روز!

دل کو بہلانے کی خاطر اے مرے دشمنِ جاں!
میں نے ہاتھوں پہ ترا نام لکھا عید کے روز

یہ الگ بات مقدر میں نہیں وصل ترا
میں نے مانگی تو ہے ملنے کی دعا عید کے روز

وہ جو کھاتا تھا نبھانے کی قسم، چھوڑ گیا
اور پھر ٹوٹ گیا عہدِ وفا عید کے روز

لوگ مہندی سے سجائے ہوئے تھے ہاتھ، ذکی
تیرے ہاتھوں پہ مرا خون سجا عید کے روز

○

بات بے بات سوچتا نہیں میں
اب شب و روز ٹوٹتا نہیں میں

خواب حیرت سے مجھ کو دیکھتے ہیں
اب کوئی خواب دیکھتا نہیں میں

یہ مجھے پھر بھی چھوڑ جاتا ہے
درد کا ساتھ چھوڑتا نہیں میں!

ایک تِنکا ہوں اور خوش ہوں بہت
ٹوٹ جاتا ہوں، ڈوبتا نہیں میں

دشمنو! تم تو مجھ کو جانتے ہو
کچھ بھی ہو جھوٹ بولتا نہیں میں

سر کٹا دیتا ہوں سرِ مقتل
رحم کی بھیک مانگتا نہیں میں

میں بھی قسمت پہ لا چکا ایمان!
جانے والوں کو روکتا نہیں میں

کر دوں آسان مشکلیں تیری؟
جا ترا ساتھ چاہتا نہیں میں!

کیوں تجھے حالِ دل بتاؤں ذکی
معذرت! تجھ کو جانتا نہیں میں!!

○

جس کی آنکھوں میں مجھے پیار نظر آتا تھا
صفِ دشمن میں وہی یار نظر آتا تھا

وہ کسی اور سے پھر کیوں نہ محبت کرتا
میرا ملنا جسے دشوار نظر آتا تھا

لے کے کاسہ جو بھٹکتا تھا گداگر کی طرح
میلے کپڑوں میں بھی سردار نظر آتا تھا

سامنے بیٹھا تھا میں نے اُسے دیکھا بھی نہیں
جس کا چہرہ پسِ دیوار نظر آتا تھا

کیا کہوں توڑ لیا اُس نے تعلق کیوں کر
وہ بظاہر تو وفادار نظر آتا تھا

اُس نے پہنا تھا شبِ ہجر سیہ رنگ لباس
وقتِ رخصت وہ عزادار نظر آتا تھا

کیا خبر تھی کہ مری جان کا دشمن ہے وہی
جان دینے کو جو تیار نظر آتا تھا

اُس کے پہلے سے مراسم نہ رہے میرے ساتھ
میں تھا اِس پار، وہ اُس پار نظر آتا تھا

اُس کے ہاتھوں میں تھے ٹوٹے ہوئے مٹی کے دیے
جو ستاروں کا خریدار نظر آتا تھا

بات کرتا تھا تو ایسی کہ پہیلی کی طرح
اُس کے انکار میں اقرار نظر آتا تھا

جس نے گھر چھوڑ دیا میری خوشی کی خاطر
ساری دُنیا کو گنہگار نظر آتا تھا

اب تو مجھ کو بھی گماں ہے کہ خطا میری تھی
ہر کوئی اُس کا طرفدار نظر آتا تھا

ایک لمحے میں زمیں بوس ہوا وہ بھی ذکی
قد و قامت میں جو کہسار نظر آتا تھا

○

ایک چہرہ مری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے
دل میں اُترا ہوا ہے' ذہن پہ چھایا ہوا ہے

اُس کو چھوتا ہوں تو کچھ اور نکھر جاتا ہوں
وہ بدن چاند کی کرنوں میں نہایا ہوا ہے

راہ تکتا ہے تری کوئی زلیخا سے کہے
ایک یوسف کہ جو بازار میں آیا ہوا ہے

عشق میں تم نے فقط اشک بہائے نہیں ہیں
بوجھ پلکوں پہ تو ہم نے بھی اُٹھایا ہوا ہے

تم ملو گے تو میں خوش باش نظر آؤں گا
درد تو دل میں کہیں دور چھپایا ہوا ہے

جب بھی دیکھو گے نظر آئے گا سینے پہ ذرکی
ہم نے تو عشق کو تعویز بنایا ہوا ہے

○

وقت ایسا بھی مجھ پہ آیا ہے
میں نے آنکھوں سے خوں بہایا ہے

میں تو ہر لمحہ قتل گہ میں رہا
میں نے کس وقت چین پایا ہے؟

چلتا پھرتا جو دیکھتے ہو مجھے!
میں نہیں ہوں یہ میرا سایا ہے

کیوں پرندوں کے گھر اُجاڑے گئے!
کیوں ہواؤں نے ظلم ڈھایا ہے؟

ایک ہی شخص دل میں اُترا تھا
اور وہی شخص اب پرایا ہے!

میں تو آنکھیں گنوا چکا ہوں ذکی
کیا تجھے عشق راس آیا ہے!

○

جب مرا اُس سے سامنا ہوا تھا
شہر آسیب میں گھرا ہوا تھا

لوگ کچھ اور بات کرتے تھے
اُن کے چہروں پہ 'کچھ' لکھا ہوا تھا

اُس نے پھر جان مانگ لی مجھ سے
دل تو پہلے اُسے دیا ہوا تھا

صاف منزل دکھائی دیتی تھی
راستہ دُھند میں اَٹا ہوا تھا

لوگ رستے بدل رہے تھے مگر!
میں اُسی راہ میں کھڑا ہوا تھا

پھر مجھے میری ہی خبر نہ ہوئی
اک دفعہ خود سے میں جُدا ہوا تھا

ہر طرف بے شمار پتھر تھے
درمیاں آئینہ پڑا ہوا تھا

ایک ٹھوکر لگی تو ٹوٹ گیا
آدمی خاک کا بنا ہوا تھا!

عمر بھر اس لئے بھی یاد رہا
وہ دسمبر میں بے وفا ہوا تھا

میرے حصے میں آئی خاک ذرگی
میں، کہ اک دشت میں بسا ہوا تھا

تلاش

مویشی ہانکنے والے
بتا اِس پیڑ کے نیچے
جو اک معصوم سی لڑکی
مجھے ہر روز ملتی تھی
کہیں اُس کو بھی دیکھا ہے؟

وہی تھی زندگی میری
وہی میری محبت تھی
میں اُس کو کھو چکا ہوں اب
کہیں تجھ کو نظر آئے
اُسے اتنا بتا دینا
میں اُس کو ڈھونڈنے دریا میں اُترا تھا
مگر واپس نہیں آیا!

○

جو فکر و فن سے تمہیں آگہی ہوئی ہی نہیں
تمہارے پاس تو پھر روشنی ہوئی ہی نہیں

وصالِ یار کی خواہش ہی جب خیال ہوئی
یہ زندگی ہے تو پھر زندگی ہوئی ہی نہیں!

اگرچہ تُو نے مرے دل پہ ہاتھ رکھا بھی ہے
متاعِ درد میں کوئی کمی ہوئی ہی نہیں

خبر نہیں کہ ترا ہجر راس آئے ہمیں!
ترے وصال سے تو دوستی ہوئی ہی نہیں

غمِ حیات مری نیند چھیننے لگا ہے
اجَل کے خوف سے وحشت کبھی ہوئی ہی نہیں

ترے کرم کے سہارے پہ ہے نجات مری
وگرنہ مجھ سے تری بندگی ہوئی ہی نہیں

○

زمیں کے سینے پہ خون پھر سے بکھر گیا ہے
گلاب رُت کا خیال جانے کدھر گیا ہے

تجھے خوشی ہے کہ تیرا دشمن نہیں رہا اب
مجھے یہ دکھ ہے کہ ایک انسان مر گیا ہے!

میں اپنے چہرے پہ جس کی یادیں لیے ہوئے ہوں
وہ سارے وعدوں سے ایک پل میں مُکر گیا ہے

اُداس آنکھوں کو اب کسی دشت میں بسائیں
کہ چاند تو گہرے پانیوں میں اُتر گیا ہے

لبوں کو سیراب کر رہا تھا میں آنسوؤں سے
وہ دیکھتا' اور مسکراتا گزر گیا ہے

وہ آخری بار جب ملا تھا تو رو پڑا تھا
اُسے خبر تھی کہ اب بچھڑنا ٹھہر گیا ہے

ذکی کہو! اب کسے سناؤں یہ حال دل کا
کہ آئینہ تو مری اُداسی سے ڈر گیا ہے!

○

حدیثِ عشق سنو اور سناؤ' عیش کرو
حریفو تم بھی نہ گھبراؤ' آؤ' عیش کرو

مرے لئے تو یہ معیارِ زندگی ہی نہیں!
چراغ چاہے جلاؤ، بجھاؤ' عیش کرو

طلسمِ ذات مرا ٹوٹنے لگا ہے سو اب!
ستم ظریفو چلو جھومو، گاؤ' عیش کرو

زمیں پہ بھیجے گئے ہیں تو امتحاں کے لئے
نہیں کہا گیا ہم سے کہ جاؤ' عیش کرو

جلا کے دوزخِ دنیا میں پھر کہے گا خدا
گنہگارو چلو تم بھی جاؤ' عیش کرو

○

رقص کرتی ہیں ہوائیں، شب بھر
ہم دیا پھر بھی جلائیں، شب بھر

موند کے آنکھیں پڑے رہتے ہیں!
کیا کریں خواب نہ آئیں، شب بھر

گھر نہیں لوٹ کے آتے بیٹے
جاگتی رہتی ہیں مائیں، شب بھر

دن میں آسیب چمٹ جاتا ہے
ساتھ رہتی ہیں بلائیں شب بھر

لوٹ آ چھوڑ کے جانے والے!
دیتا رہتا ہوں صدائیں، شب بھر

○

میرے سینے پہ کوئی سنگِ گراں چھوڑ گیا
ہو گیا ختم جنوں اور نشاں چھوڑ گیا

جو سرِ شام بڑی دھوم سے جل اُٹھا تھا
رات پھیلی تو وہی دیپ دُھواں چھوڑ گیا

ایک دو لوگ نہ تھے شہر مخالف تھا مرا
تیری آواز پہ میں تیر و کماں چھوڑ گیا

ہر طرف اُونچی فصیلوں پہ لٹکتے ہوئے سر
اے مرے دوست مجھے لا کے کہاں چھوڑ گیا

•

آزمانا تھا مرا حوصلہ شاید اُس نے
میرا قاتل میرے سینے میں سِناں چھوڑ گیا

کسی آسیب کا مسکن ہوا یہ کمرہ ذکی
جب سے وہ شخص مرے دل کا مکاں چھوڑ گیا

○

قلبِ بیتاب میں افکار جنم لیتے ہیں
زخم گہرا ہو تو شاہکار جنم لیتے ہیں

ہم سے مت اُلجھو کہ ہم دشت نورد، اہلِ جنوں
قتل ہوتے ہیں تو سَو بار جنم لیتے ہیں

حادثے رکتے نہیں آہ و مناجات کے ساتھ
موڑ کیسے بھی ہوں دشوار، جنم لیتے ہیں

جن کی تقدیس کی خالق نے گواہی دی ہو
ایسی گودوں میں عزادار جنم لیتے ہیں

قلب کا خون، ذکی آنکھ سے ہو جائے رواں
تب کہیں جا کے یہ اشعار جنم لیتے ہیں

○

کسی کو سر پر سوار کرنے سے پہلے سوچو
یہ عشق ہے، اختیار کرنے سے پہلے سوچو

تمہارے ہوں گے، تمہیں کسی کا نہ ہونے دیں گے
اُداس لوگوں کو پیار کرنے سے پہلے سوچو!

اگر تم اس کی جگہ پہ ہوتے، تو کیسا ہوتا
کسی نہتے پہ وار کرنے سے پہلے سوچو

میاں! یہ دل ہے، چلا گیا تو نہیں ملے گا
کسی سے نقد و اُدھار کرنے سے پہلے سوچو

نہ جاگ اٹھے، کوئی کسک دل میں، شور سن کر
اس آنکھ کو آبشار کرنے سے پہلے سوچو

عجب نہیں ہے بروزِ محشر ہی کام آئیں
دعاؤں پر انحصار کرنے سے پہلے سوچو

چُکا بھی سکتے ہو تم بھلا مرے خوں کی قیمت؟
مرا بدن تار تار کرنے سے پہلے سوچو

ذکی کسی نے دغا دیا ہے تو چپ رہو بس!
کہا تو تھا اعتبار کرنے سے پہلے سوچو

اس کی تصویر دیکھتے ہیں ذکیؔ آؤ پھر زندگی سے ملتے ہیں

محبت' استعارہ بن جائے تو روح' احساس کے سُروں پر رقص کرنے لگتی ہے۔ اور لفظ' شعری پیکر بنتے جاتے ہیں۔ ارشد عباس ذکی کے شعر فوارے کی وہ دھاریں ہیں جو پہلے اوپر اٹھتی ہیں اور ایک خاص سطح کو چھو کر واپس آجاتی ہیں۔ جو پڑھنے اور سُننے والے کی روح کو مترنم آسودگی دیتی ہیں۔ ذکی کی شاعری اپنی عمر سے بڑی ہے۔ شاید اس لئے وہ "ظالم" محبت کی تصویر بڑی اچھی بنا لیتا ہے۔

پروفیسر انور جمال

عہد موجود میں غزل کے شاعر کے سامنے سب سے مشکل اور اہم سوال یہ ہے کہ وہ شعراء کے ہجوم میں اپنی الگ شناخت کے ساتھ کس طرح نمایاں ہو۔ غزل اس قدر مضبوط ہو چکی ہے کہ اب عام شاعروں کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکیں۔ یقیناً تخلیقی سطح پر مضبوط شاعر ہی یہاں نئے امکانات تلاش کر سکتا ہے۔

ارشد عباس ذکی جنوبی پنجاب کا ایک ایسا ہونہار شاعر ہے جس نے اپنے آغاز ہی میں اہلِ فن کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔ اسے وہ تمام لوازمات میسّر ہیں جو ایک اچھے شاعر کے لئے ضروری ہیں یعنی مضمون آفرینی، فن پر دسترس، مصرعہ سازی کا ہنر اور سب سے بڑھ کر شاعری کے ساتھ اس کی کمٹمنٹ۔ یقیناً جس شاعر کو یہ سب حاصل ہوا سے کوئی آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتا تاوقتیکہ وہ خود ہی اپنے رستے کی رکاوٹ نہ بنے۔ ارشد عباس ذکی اپنے پہلے شعری مجموعے کے ساتھ ادبی اُفق پر طلوع ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی روشنی ماند پڑنے والی نہیں۔

قمر رضا شہزاد

زندگی کی دھوپ میں لفظوں کی ردا اُوڑھ کر سفر کرنے والوں کا قبیلہ ہر اعتبار سے زبانی پیمانوں سے ماوراء ہوتا ہے۔ اور ارشد ذکی کی شاعری اس بات کی روشن دلیل ہے۔ اتنی کم عمری میں اظہار کے وسیلوں پر اتنی دسترس بہت کم لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ صدقِ طلب اور شدتِ احساس ہی شاید اس کے حصول کا واحد راستہ ہے جو ذکی میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

ذکی نہ صرف داخلی دنیا کے اضطراب کی ترسیل پر قدرت رکھتا ہے بلکہ اپنے شعر میں گرد و پیش کی بکھری ہوئی زندگی کی جراحتوں کو بھی منعکس کرتا ہے۔ یہ نوجوان جدید غزل کے لئے ایک اثاثے کی حیثیت رکھتا ہے کہ عصری شعور پوری توانائی سے اس کی ذات میں موجزن ہے۔ دشتِ فن میں ذکی کی آبلہ پائی ممکن ہے قابلِ اعزاز نہ ہو لیکن لائقِ تحسین ضرور ہے۔ میں اپنی تمام تر روحانی صداقتوں کے ساتھ ذکی میں روشن آگ کے ثبات کے لئے دعا گو ہوں۔

نواز ش علی ندیم

Sukhan Sa'raye
sukhan.saraye@gmail.com
0314-8270110

http://www.sukhanwar.net
سخن ور فورم